

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری بطور ماہر تعلیم

☆ ڈاکٹر محمد اکرم ورک

Abstract:

"Justice Peer Muhammad Karam Shah Al-Azhari is a great personality. He served the Islamic world in all social, Economic, educational and mystic fields, but specially in the advancement of education, his contributions are unprecedented. He was skillful educationist. He decided to make the renaissance of his Islamic instructions "Dar-ul-Uloom Muhammadia Ghosia Bhera". He made it compulsory for the students of his Institution having matric, F.A and B.A from secondary boards and universities. He improved the curriculum of his Institution in light of modern requirements of education. He also worked for making progress in the learning process. So, the Justice Muhammad Karam Shah is known in this world as great expert and well versed personality in the field of Education.

Key Words:

Zia-ul-Ummat, Personality, Educational, Mystic, Islamic, Instructions, Learning Process, Verseu.

نصاب اور نظام تعلیم کا تعلق صرف استاذ، شاگرد اور درس گاہ سے نہیں بلکہ اس کا براہ راست تعلق اس زندگی سے ہے جو ہر لمحہ رواں دواں اور تغیر پذیر ہے اس لیے بہترین نظام تعلیم وہی ہو سکتا ہے، جو ایسے علوم

☆ پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج کاموٹی، گوجرانوالہ

دفعون پر مشتمل ہو جو انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں نیز ایسے علوم جو انسانی فکر کے تاریخی ارتقا کے عکاس ہوں اور جن کا ہدف ایسے رجال کار کی تیاری ہو، جو سوسائٹی کے انفرادی اور اجتماعی رویوں کی مثبت تشکیل میں بنیادی کردار ادا کر سکیں۔ ان سطور میں ہم اسلامی نظام تعلیم کے صرف ایک پہلو "نصاب تعلیم" کے حوالے سے اپنی معروضات پیش کریں گے جسے جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری^(۱) نے اپنے ادارہ "جامعہ دارالعلوم بحیرہ" میں متعارف کرایا۔

مسلم تاریخ میں نصاب تعلیم کا ارتقاء:

اسلامی تاریخ کا سرسری مطالعہ بھی اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ نبوت کے کئی اور مدنی ادوار میں نظام تعلیم اور نصاب میں معروضی حالات کے پیش نظر بقدر ضرورت تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ دارالرقم رضویہ اور شعب ابی طالب رضویہ میں تعلیم کا نصاب اور نظام اس سے بہر حال مختلف تھا جس کی تعلیم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی درس گاہ (صفہ) میں دی جاتی تھی۔ صفہ میں حالات کے تقاضوں اور ضرورتوں کے پیش نظر قرآن و سنت کی لازمی تعلیم کے ساتھ ساتھ خطاطی، طب، تیر اندازی، تلوار زنی، اور نیزہ بازی کے فنون بھی سکھائے جاتے تھے۔^(۲) مرور ایام کے ساتھ قرآن و سنت، جیسے بنیادی اور لازمی مضامین کی اہمیت و افادیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ ان کے علاوہ دیگر علوم و فنون ارتقاء اور تبدیلیوں کے مختلف مراحل طے کرتے رہے۔ ان میں سے بعض مضامین اگر حالات کے تقاضوں کے پیش نظر داخل نصاب ہوئے تو بعض دیگر کو ضرورت پوری ہونے پر نصاب سے خارج بھی کر دیا گیا۔ نصاب تعلیم میں تغیر و تبدل کا سلسلہ ہر دور میں جاری رہا۔ بابا کوخان کے حملہ بغداد ۱۲۵۸ء تک مسلم فکر میں زبردست ارتقاء نظر آتا ہے۔ بغداد کی تباہی سے نہ صرف مسلمانوں کی صدیوں کی علمی ترقی اور ذہنی ریاضت دریا برد ہو گئی بلکہ کئی نامور علما بھی تاتاری تلوار کی نذر ہو گئے۔ اور پھر ۱۳۹۲ء میں ستوپر غرناطہ کے بعد مسلم فکر کے تقریباً تمام علمی سرچشمے خشک ہو گئے، اور علمی روایت مکمل طور پر مغرب کی طرف منتقل ہو گئی۔ اگرچہ ان دو بڑے حادثات کے بعد بھی مسلمانوں کو سیاسی عروج حاصل رہا ہے۔ لیکن فکری اور علمی اعتبار سے یہی مسلمانوں کا دور انحطاط ہے۔

درس نظامی کے روایتی نصاب پر ایک نظر ڈالنے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نصاب میں شامل اکثر کتب اور علوم و فنون اسی دور زوال کی یادگار ہیں۔ جب مسلمانوں کا علمی انحطاط شروع ہو چکا تھا اور مسلم فکر پر جمود کے سائے پڑنا شروع ہو گئے تھے۔ نئے علوم و فنون اور موضوعات پر غور و فکر کی بجائے ایسی

کتابیں منصوبہ شہود پر آنے لگیں۔ جن میں اختصار نویسی، لفظی بحثوں اور لفظی مویشکافیوں کو ہی کمال فن سمجھا جانے لگا۔ بڑا کمال یہی سمجھا گیا کہ عبارت ایسی دقیق اور غامض ہو جس کے لئے شرح و حاشیہ کی ضرورت ہو، لطیفہ یہ ہے کہ بعض اصحاب علم نے ذہنی عیاشی کی خاطر انتہائی مختصر کتب تصنیف کیں۔ اور پھر خود ہی ان پر طویل حواشی لکھنے بیٹھ گئے (۳) اور اب ہمارے مدرسین اپنی عمر عزیز کا زیادہ حصہ انہی دقیق عبارتوں کے سمجھنے اور سمجھانے میں گزار دیتے ہیں۔ مصنف کی مراد، ضمائر کے امکانی مراجع اور عبارت کی اعرابی حالتوں کے ایسے خیالی پلاؤ پکائے جاتے ہیں کہ بسا اوقات ایسی بحثوں میں کئی کئی ہفتے گزر جاتے ہیں اور نتیجہ پھر بھی غیر حتمی ہی رہتا ہے۔ گویا فن میں مہارت کے بجائے کتاب کی تفہیم حقیقی مقصد بن کر رہ گئی ہے۔

برصغیر میں مدارس کا نصاب تعلیم:

برصغیر میں انگریزی عہد اقتدار سے قبل مدارس میں جن علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی ان کی افادیت محدود ہو چکی تھی، تاہم اس وقت جو نظام تعلیم اور نصاب رائج تھا اس میں دینی اور دنیوی کی کوئی تفریق نہ تھی۔ اور یہ نصاب مسلم دور کی ضرورتوں اور تقاضوں کو کسی نہ کسی حد تک پورا کر رہا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغلیہ دور میں جس نظام تعلیم اور نصاب نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا مذہبی عبقری پیدا کیا اسی نظام نے نواب سعد اللہ خان جیسا شخص بھی تیار کیا۔ جو شاہ، جہان کے دور میں سلطنت مغلیہ کا وزیر اعظم بنا، اور پھر استاذ احمد معمار جس نے تاج محل، جس کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا ہے، تعمیر کیا۔ یہ تینوں ایک ہی نصاب اور تعلیمی نظام کی پیداوار تھے۔ (۴)

۱۸۵۷ء میں برصغیر پر انگریزوں کے مکمل قبضہ و اختیار کے بعد ہمارے سامنے نظام تعلیم اور نصاب کے حوالے سے دو گروہ ابھر کر سامنے آتے ہیں ایک گروہ کا تعلق روایتی دینی مدارس سے ہے۔ فی الوقت جن کی نمائندگی شیعہ اور سنی وفاق (بریلوی، دیوبندی، سلفی) کر رہے ہیں۔ دوسرے گروہ کا تعلق جدید تعلیم کے علمبرداروں سے ہے۔ سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی علمی تحریک اسی گروہ کی نمائندہ تحریک ہے۔ روایتی دینی مدارس کا نصاب ہو یا علی گڑھ کا، دونوں کا نصاب۔ تعلیم دور غلامی کے مخصوص حالات، تقاضوں اور پس منظر کا عکاس ہے۔ یقیناً طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں نصاب ہائے تعلیم کی بنیاد خوف اور ذہنی تحفظات پر تھی۔ ایک طبقہ اس خوف میں مبتلا تھا کہ جدید تعلیم سے اجتراز مسلمانوں کے لیے انتہائی تباہ کن ہوگا۔ مسلمان تجارت، اسباب معیشت، ملازمتوں اور دیگر قومی معاملات میں پیچھے رہ جائیں گے۔ جبکہ دوسرے طبقہ کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ

انگریز جو برصغیر کو دوسرا اسپین بنانے کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں، کے عزائم کو مایا میٹ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وقتی فوائد سے صرف نظر کرتے ہوئے دینی علوم کی تدریس کے لیے مدارس کا ایسا نظام قائم کیا جائے جو قوم کو تہذیبی ارتداد سے بچا سکے اور جو مسلمانوں کے دین، ایمان اور اسلامی تہذیب و تمدن کے تحفظ کا ضامن ہو۔ (۵) حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں دین و ایمان کی بہاریں ہمارے اسلاف کی اسی محنت، خلوص اور حکمت عملی کا نتیجہ ہیں، تاہم یہ بات واضح ہے کہ ہر دو طبقات کی حکمت عملی دفاعی نوعیت کی تھی، اور یہ حکمت عملی اپنے مخصوص پس منظر میں بالکل درست تھی۔

پاکستانی مدارس کا نصاب تعلیم:

۱۹۴۷ء کے بعد حالات و ضروریات اور تقاضے بدل گئے اس وقت دونوں (دینی و دنیوی) نصاب ہائے تعلیم میں انقلابی اور اجتہادی نوعیت کی تبدیلیوں کی ضرورت تھی۔ ان دونوں نظام ہائے تعلیم کو ختم کر کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ایسا نصاب مرتب ہونا چاہیے تھا، جو جدید علمی اور فکری چیلنجز کا بھرپور جواب مہیا کرتا۔ خاص طور پر پاکستان میں تو اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ علماء کو سوسائٹی میں قائدانہ کردار ادا کرنے کے قابل بنایا جاتا، لیکن بد قسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس سے فارغ ہونے والے علماء جب عملی میدان میں قدم رکھتے ہیں تو چونکہ وہ سوسائٹی کے عرف اور محاورے سے واقف نہیں ہوتے اس لیے عجیب طرح کی اجنبیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور عملاً معاشرے سے کٹ کر رہ جاتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی:

”آج ہمارا امام سوسائٹی میں جا کر یہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ تو Irrelevant ہے اور یہاں لوگ جو سوال کر رہے ہیں اس کا میرے پاس جواب نہیں تو وہ پرہمی ہوئی چیزوں کو Relevant بنانے کے لیے وہاں وہ مسائل پیدا کرتا ہے جو اس کے اپنے مسائل ہیں تاکہ وہ لوگوں کے بھی مسائل بن جائیں اور جب وہ ان کے مسائل بن جائیں گے اور وہ پوچھیں گے تو میں ان کا جواب دوں گا۔ وہ مسائل کیا ہوتے ہیں؟ وہ فرقہ وارانہ ہوتے ہیں اب جن بیچاروں کو کچھ پتہ نہیں ہوتا اور نہ کبھی ان کے ذہن میں یہ خیال آیا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا بشر تھے؟ ان کے لیے امام مسئلہ پیدا کر دیتا ہے۔ رسول اللہ کا حکم واجب التعمیل ہے یہ کوئی نہیں بتاتا، لیکن ایک اس پر زور دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور دوسرا اس پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ وہ نور کا ایک محدود مفہوم

بیان کرتا ہے یہ بشر کا محدود مفہوم بیان کرتا ہے۔ اور جب علم کی کمی کی وجہ سے لوگوں کا ایک گروہ اس کام کے لئے تیار ہو جائے گا تو اب امام صاحب کی نوکری پکی ہو جائے گی اور انہیں کوئی وہاں سے نہیں اٹھائے گا۔ یہ ایک افسوس ناک بات ہے جس پر غور کرنا چاہیے۔“ (۶)

ایسے ہی سطحی علم رکھنے والے حضرات معاشرے میں فتنہ و فساد اور فرقہ وارانہ تشدد کا باعث بنتے ہیں۔ یہ صورت حال ایسی خوف ناک اور گھمبیر ہے جس کی وجہ سے ایک طرف سلیم الفطرت لوگ مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں تو دوسری طرف عام لوگ دین سے دوری میں ہی اپنی ”عافیت“ سمجھنے لگے ہیں بقول علامہ اقبال:

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے

کہ میر کارواں میں نہیں خوںے دل نوازی

ضرورت اس امر کی تھی کہ دور غلامی میں حالت جبر میں اختیار کردہ تعلیمی نظام پر نئے سرے سے غور و فکر کیا جاتا اور قیام پاکستان کے بعد ماہرین تعلیم کی مشاورت سے مناسب اور معقول قومی تعلیمی پالیسی تشکیل دی جاتی۔ لیکن بد قسمتی سے ایسی کوئی بھی سنجیدہ کوشش بروئے کار نہیں لائی گئی۔ اس وقت صورت حال یہ کہ پاکستان میں طبقاتی نظام تعلیم میں مزید پھیلاؤ آیا ہے۔

جدید تعلیمی اداروں سے جو نسل تیار ہو کر نکل رہی ہے ان کا دین سے تعلق انتہائی کمزور ہے اور دوسری طرف جو نسل روایتی دینی اداروں سے فارغ التحصیل ہو رہی ہیں ان کا حالات حاضرہ، جدید معاشی، سیاسی اور عمرانی علوم سے کوئی تعارف نہیں، عالمی قانون، عرف، رسم و رواج اور مغربی فکر و فلسفہ تو ان کے لئے قطعاً اجنبی چیزیں ہیں۔ نصاب کی اس تقسیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نصاب کے پڑھنے والے دوسرے متوازی نصاب کے اثرات و نتائج سے قطعاً بے گانہ ہیں جسے انہوں نے نہیں پڑھا۔ ملک میں پڑھے لکھے طبقہ کی دو مستقل جماعتیں قائم ہو گئیں ہیں ایک طبقہ دوسرے پر فسق و فجور اور بے دینی کا الزام عائد کرتا ہے تو دوسرا اس پر تاریک خیالی اور زمانے سے ناواقفیت کی پھبتیاں کستا ہے۔ مسز اور ملاں کے طنزیہ ناموں سے قائم ان طبقوں میں کشمکش مسلسل بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

ارباب دانش کی نظر میں نصاب تعلیم کی وحدت کے علاوہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔ اس حوالے سے حکومتی اور اعلیٰ ترین سطح پر پیش قدمی کی ضرورت تھی تاہم حکومت کی مجرمانہ غفلت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دینی مدارس کے ارباب بست و کشاد بھی اسی عدم تدریک کا مظاہرہ کرتے، نئے حالات میں ان کی حکمت عملی دفاعی

کی بجائے اقدامی ہونی چاہیے تھی، کیونکہ آزادی کے بعد عوام الناس زندگی کے ہر میدان میں ان سے قائدانہ کردار کی توقع کر رہے تھے لیکن بد قسمتی سے ہماری دینی قیادت اس فہم و فراست کا مظاہرہ نہ کر سکی جس کا مظاہرہ ہمارے اسلاف ہر دور میں کرتے رہے ہیں۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے عملی اقدامات:

ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۱۸-۱۹۹۸ء) نے علماء اور جدید تعلیم یافتہ نسل کے درمیان بڑھتے ہوئے خلا کو آج سے نصف صدی قبل محسوس کیا۔ چنانچہ آپ نے قدیم اور جدید علوم کے امتزاج سے ایک ایسے نصاب تعلیم کی ضرورت محسوس کی جو علماء کو نہ صرف قومی دھارے سے جوڑے رکھے بلکہ انہیں قائدانہ کردار ادا کرنے کے قابل بھی بنا سکے۔ چنانچہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۷ء میں اپنے والد محترم کے قائم کردہ ادارے ”دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ“ کی نشاۃ ثانیہ کا فیصلہ کیا۔ نئے نصاب کی ترتیب، تدوین، اور تنفیذ میں پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہ بڑے کٹھن اور صبر آزمائے تھے۔ چونکہ یہ بالکل نیا اور منفرد تجربہ تھا۔ اس لیے جب پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میدان عمل میں اترے تو وہ اس منزل کے تہا مسافر تھے۔ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذات میں ایک پورے ادارے کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ پروفیسر حافظ احمد بخش صاحب نے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری ”جمال کرم“ جلد اول میں ان تمام حالات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ نئے نصاب کی ترتیب میں حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر جو خصوصی امور تھے ان کی وضاحت کرتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”دینی مدارس کا نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہیے جس سے فراغت پانے کے بعد انسان میں علوم جدیدہ سے پوری واقفیت اور حالات حاضرہ پر گہری نظر ہونے کے ساتھ علوم دینیہ میں محسوس قابلیت پیدا ہو جائے، سطحی قسم کے علماء الحاد و فجور کے اس خوف ناک سیلاب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ملت کو ایسے علماء کی ہرگز ضرورت نہیں جو اسام کی ابدی تعلیمات کو حالات حاضرہ سے ہم آہنگ کرنے کے جذبہ میں قطع و برید اور تہدیلی و تحریف تک آمادہ ہوں بلکہ ایسے مردان کار کی ضرورت ہے جو ایمانی فراست کو کام میں لاتے ہوئے حالات کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اس کے لیے علوم دینیہ میں مہارت ضروری ہے۔“ (۷)

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں داخلہ کے خواہش مند طلبہ کے لیے میٹرک پاس ہونا بنیادی شرط ہے۔ نو سالہ دورانیے پر مشتمل اس نصاب میں ایف۔ اے۔ اور بی۔ اے کے امتحانات بالترتیب سرگودھا بورڈ اور پنجاب

یونیورسٹی کے زیر انتظام دلوائے جاتے ہیں۔ جبکہ دارالعلوم کی تکمیلی سند کو حکومت نے ایم۔ اے اسلامیات و عربی کے مساوی تسلیم کیا ہے۔ یہاں سے فارغ التحصیل علما کو ”شاہین“ کہا جاتا ہے۔ دارالعلوم میں دینی تعلیم میں رسوخ کو اولیت اور ترجیح حاصل ہے۔

پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دینی مدارس کے روایتی نصاب میں جو انقلابی اصلاحات تجویز فرمائیں زیر نظر سطور میں ہم اس کے صرف چند اہم پہلوؤں کا اختصار کے ساتھ تعارف پیش کریں گے اور ان کوششوں کے عملی فوائد و ثمرات کا تجزیہ کریں گے۔

صرف و نحو:

کسی بھی زبان کی سمجھ بوجھ کے لیے گرامر خشت اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ گرامر کا کردار زبان کی تسہیل اور تفہیم سے ہے، جبکہ مدارس کے طرز تعلیم میں علم صرف اور خاص طور پر علم نحو کو زبان کے مشکل بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کافیہ اور شرح جامی جیسی کتب جس تحقیق اور لفظی موشگافیوں کے ساتھ پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، کاش قرآن و سنت کی تعلیم میں بھی یہی شوق پیش نظر ہو۔ عموماً اساتذہ کافیہ کی پہلی سطر ”الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرداً“ کی تقریر میں ہی کئی ہفتے گزار دیتے ہیں۔ برصغیر کے روایتی مدارس دینیہ میں صرف و نحو کی تعلیم میں طلبہ پر بیک وقت تین بوجھ ڈال دیے جاتے ہیں:

☆ ایک، اجنبی زبان (کہ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں)۔

☆ دوسرا، حل عبارت، طالب علم کی بیشتر توانائی مغلق و غامض عبارت کے حل پر صرف ہو جاتی ہے۔

☆ تیسرا، اگر دماغ میں کچھ گنجائش باقی رہ گئی ہے تو وہ اصل علم حاصل کرے۔

یہی وجہ ہے کہ گو ہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ ہمیں یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ صرف و نحو اور دیگر علوم صرف قرآنی بصیرت تک رسائی کے وسائل اور ذرائع ہیں اس لیے ایسی تمام کتب کو آسان اور عام فہم ہونا چاہئے۔ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صرف و نحو کے روایتی اسلوب میں جو تبدیلی کی ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”عربی علوم میں دسترس حاصل کرنے کے لیے صرف و نحو کو کلیدی حیثیت ہے اس سے اس کے

انکار ہے، اس لیے میں نے مفید خیال کیا کہ ابتدائی سالوں میں صرف و نحو پر زیادہ سے زیادہ

زور دیا جائے اور اس کے لیے ایسی کتب کا انتخاب کیا جائے جو آسان اور واضح ہونے کے

ساتھ ساتھ فن کی تمام خصوصیتوں کی حامل ہوں اور ان کی تعداد بھی زیادہ نہ ہو“ (۸)

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ میں صرف و نحو کی تعلیم میں جن چیزوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے ان کی نوعیت درج ذیل ہے:

- ۱- روایتی دینی مدارس کے برعکس صرف و نحو کی تعلیم کے لیے کتب کی تعداد واضح طور پر کم کی گئی ہے۔
- ۲- جو کتب منتخب کی گئی ہیں وہ سادہ عام فہم اور آسان اردو اور عربی زبان میں ہیں۔ ابتدائی تعلیم کی مادری زبان میں ضرورت و اہمیت ماہرین تعلیم کے ہاں مسلم ہے۔ تسہیل انخوا اور تسہیل الصرف (از مولانا حافظ محمد خان نوری) اردو زبان میں ہیں۔ نیز اس کے ساتھ عربی زبان میں عصر جدید کی مطبوعات انخوا الواضح (از علی جارم، مصطفیٰ امین) کے چھ حصوں کی تدریس بہت عمدہ انتخاب ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر انتہائی مفید اور سلیجے ہوئے انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کی خاص خوبی یہ ہے، قواعد کا عملی اجراء بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا ہے۔ اور عربی زبان کے قواعد اس طرح پڑھائے جاتے ہیں کہ جس طرح ایک زندہ زبان کے پڑھائے جانے چاہئیں۔

ادب و انشاء:

درس نظامی کے روایتی نصاب میں ادب و انشاء کی تعلیم برائے نام ہے۔ ادب و انشاء کی جگہ فن بدیع (لفظی صنعت گری) کی کتابیں داخل نصاب ہیں۔ مطول جیسی کتابوں کی تعلیم کے بعد طلبہ میں ادبی ذوق پروان چڑھنے کی توقع رکھنا عبث ہے۔ آج کی علمی دنیا میں اگر کسی کو یہ بتایا جائے کہ کچھ ”اصحاب علم“ دنیا میں ایسے بھی ہیں جو بیس پچیس سال تک عربی زبان و ادب کی تدریس کے بعد بھی اس میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قادر نہیں تو یقیناً وہ اسے قبل از تاریخ کی کوئی من گھڑت کہانی قرار دیں گے۔ (۹) ویسے بھی جس قسم کی عربی زبان ہمارے علماء بولتے ہیں وہ روزمرہ کی زبان نہیں ہے اس لیے جدید نسل کے لیے اس کو سمجھنا کافی مشکل ہے آج کے معروضی حالات میں عالم عرب سے رابطہ و تعلق کے لئے جدید عربی کا جاننا انتہائی ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ دینی مدارس کے قیام کا اصل مقصد قرآن و سنت کی تفہیم ہے جبکہ قرآن و سنت کے معانی و مفہم سے واقفیت کے لیے قدیم عربی زبان و ادب میں مہارت و مہارت ضروری ہے، لہذا عربی زبان کے قدیم اور جدید دونوں اسالیب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے دونوں کا اپنی اپنی جگہ سیکھنا ضروری ہے۔

پیر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مجوزہ نصاب میں ان دونوں ضرورتوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ طلبہ میں قدیم

عربی ادب کا ذوق پیدا کرنے کے لیے البلاغۃ الواضحۃ (از علی الجارم و مصطفیٰ امین) کے ساتھ دیوان متنبی، دیوان حماسہ، دیوان حسان، المفضلیات، نثر میں العبرات، مقامات حریری، اکامل للمبرد، تلخیص المفتاح، اور اسرار البلاغۃ جیسی کتب شامل نصاب ہیں تو دوسری طرف ابتدائی سالوں میں ہی مفید الطالبین (از محمد احسن ناتوتوی) تسہیل الانشاء مکمل چار حصے (از محمد سعید الازہری، محمد اکرم الازہری رحمہما علیہ) معلم الانشاء (از محمد رابع حسنی ندوی) اور الاسلوب الصحیح (دو حصے) جیسی کتب سے طلبہ میں جدید عربی زبان و ادب کا ذوق پیدا کیا جاتا ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ادب لادین ہوتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پیر صاحب رحمہما علیہ نے اپنے مرتب کردہ نصاب تعلیم میں ادب کو بھی مشرف بہ اسلام کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور کسی لمحہ بھی زبان دانی کے ساتھ ساتھ طلبہ کی اخلاقی تربیت کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ قصیدہ الطیب الغنم (از شاہ ولی اللہ رحمہما علیہ) اور قصیدہ بردہ شریف (از امام بوصیری رحمہما علیہ) کا شامل نصاب ہونا ہمارے اس موقف کی تائید کرتا ہے۔

معاشیات اور سیاسیات:

درس نظامی کے روایتی نصاب کی تدریس میں عموماً اسلام کے اجتماعی پہلوؤں کو بری طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بالخصوص اقوام عالم میں رائج نظام سیاست اور جدید نظام معیشت سے ہمارے علماء کی واقفیت برائے نام ہے، جدید علوم سے بے اعتنائی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ طبقہ علماء آہستہ آہستہ ایک ایسا گروہ بنتا جا رہا ہے جس کا کارگاہ حیات اور زندگی کے عملی اور زندہ مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوسائٹی میں ہمارے علماء کا کردار بھی اب دیگر مذاہب کے مذہبی راہنماؤں جیسا بنتا جا رہا ہے جن سے صرف حصول ثواب کی نیت سے مخصوص مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے یہ صورت حال اسلام جیسے دین کے لئے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہے، جو مکمل ضابطہ حیات ہونے کا بجائے طور پر دعویٰ دار ہے۔ علوم جدیدہ سے علماء کی عدم واقفیت کی وجہ سے ہی اس غلط فہمی نے بھی جنم لیا ہے کہ شاید اسلام جدید معاشی، سیاسی اور عمرانی افکار کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ہمارے اکثر علماء کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ وہ جدید سیاسی، معاشی اور عمرانی علوم میں رسوخ تو بڑی دور کی بات، ان کی بنیادی اصطلاحات تک سے واقف نہیں ہیں۔ دینی تعلیم و تدریس اور بحث و تمحیص کے حوالے سے ہماری گفتگو اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، یا زیادہ خاندانی معاشرت کے چند مسائل تک محدود رہتی ہے جب ہم حدیث یا فقہ کی کوئی کتاب پڑھاتے ہیں تو

سارا زور کتاب الطہارت سے کتاب الحج تک ہوتا ہے۔ بہت زور مارتا تو نکاح و طلاق کے مسائل کو یا یہ آخری حد ہے حالانکہ انہی کتابوں میں کتاب البیوع بھی ہے، کتاب الاجارہ بھی، کتاب المزارعہ بھی، کتاب الجہاد بھی، کتاب الامارہ بھی ہے اور کتاب القاضی بھی۔ اس طرح سیاست، معیشت اور زندگی کے دیگر اجتماعی شعبوں سے تعلق رکھنے والے دوسرے ابواب بھی، لیکن ہم ان ابواب سے اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے یہ سب منسوخ ہوں۔

پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی دور رس نگاہوں سے علما اور سوسائٹی میں بڑھتے ہوئے فاصلے کو گہری تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے مجوزہ نصاب تعلیم میں اس کمزوری کا ازالہ کرنے کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس نصاب میں انگریزی، جغرافیہ، طبیعیات کے علاوہ فلسفہ جدیدہ، علم سیاست (Politics)، علم اقتصادیات (Economics) کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ کیونکہ آج اسلامی تعلیمات کو موثر طور پر پیش کرنے کے لیے ہمارا ان علوم سے روشناس ہونا از حد ضروری ہے۔ علم سیاست و اقتصادیات اسلام کے لیے کوئی نئی چیزیں نہیں ہیں اسلام نے جہاں عقائد باطلہ کے بت کدے پاش پاش کیے وہاں اس نے روز ازل سے مستبدانہ ملوکیت اور نالمانہ نظام معاشیات پر بھی بھرپور وار کیا اور اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں ایسی بنیادی اور عادلانہ اصلاحات کیں جن کی گرد راہ کو بھی عقل کا کاروان تیز گام آج تک نہیں پہنچ سکا، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ موجودہ دور میں سیاست و معاشیات کے علوم کو ایسے خطوط پر مرتب کیا گیا ہے کہ بادی النظر میں وہ بالکل جدید علوم دکھائی دیتے ہیں، ضروری ہے کہ ہم بھی موجودہ معنی میں ان کو سمجھیں تاکہ اپنے نظریات عہد حاضر کی عقلوں کو سمجھا سکیں۔ اس لیے پہلے ان مضامین کو ان کی موجودہ شکل میں پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اسلام کے نظریات کا دوسرے نظریات کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے“ (۱۰)

ہمارے بعض قارئین کے لیے شاید یہ بات نئی ہو کہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرتب کردہ نصاب تعلیم میں ایف اے اور بی اے کی سطح پر معاشیات اور سیاسیات اختیاری کے بجائے بطور لازمی مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے طلبہ کے لیے معیشت اور سیاست کے جدید نظاموں کا سمجھنا اور اسلامی تعلیمات کے ساتھ ان کا تقابل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے میں تبلیغ کا کام کرنے کے لیے یہ صلاحیت انہیں نسبتاً زیادہ اعتماد اور اعتبار مہیا کرتی ہے۔

اردو اور انگریزی زبانوں کی تدریس:

اسلام کا تمام علمی سرمایہ عربی زبان میں ہے اس لیے قدیم اور جدید عربی زبان و ادب سے واقفیت علماء کے لیے ناگزیر ہے لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ عربی زبان کے بعد برصغیر کے اہل علم کے لیے اردو زبان بڑی اہمیت کی حامل ہے جو بجا طور پر اس نخطے کی زندہ علمی زبان ہے اور شاید یہ مبالغہ نہ ہو کہ عربی کے بعد اسلامی کتب کا سب سے بڑا علمی اور تحقیقی ذخیرہ اردو زبان میں ہی ہے لیکن دینی مدارس کے روایتی نصاب سے ہمارے علماء میں اردو زبان و ادب کا جو ذوق پیدا ہو رہا ہے اس کا ایک منظر ہم دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کے لئے لکھی گئی تحریروں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ فتویٰ نویسی میں ”کیا فرماتے ہیں علماء کرام بیچ اس مسئلہ کے“ جیسے فقروں کا طویل عرصہ سے مسلسل استعمال ہمارے علماء کی ”اردو دانی“ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پیر صاحب چونکہ خود اردو زبان کے صاحب طرز ادیب تھے اور اردو زبان و ادب کی اہمیت سے آگاہ تھے نیز طبقہ علماء سے تعلق رکھنے کی وجہ سے علماء کی اس کمزوری کا احساس رکھتے تھے اس لئے انھوں نے اپنے مجوزہ نصاب میں اردو زبان کی تدریس کو خصوصی اہمیت دی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ علماء کے لیے انگریزی زبان میں مہارت کو انتہائی اہم سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”یہ ایک حقیقت ہے کہ انگریزی زبان ایک علمی اور بین الاقوامی زبان ہے ایک عالم دین کے لیے اس پر عبور حاصل کرنا متعدد افادیتوں کا حامل ہے اس لئے ابتداء سے آخر تک اس کا سلسلہ تعلیم جاری رکھا گیا ہے۔ تاکہ طلبہ نصاب سے فراغت پانے کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹ بھی ہو جائیں۔“ (۱۱)

گلوبلائزیشن کے اس دور میں انگریزی زبان کی اہمیت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے آج سے نصف صدی قبل انگریزی جیسی بین الاقوامی زبان کی تعلیم کو اپنے نصاب تعلیم میں لازمی مضمون کے طور پر داخل کرنا پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دوراندیشی اور بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

علوم القرآن و الحدیث:

اسلام کے فکری سرچشمے دو ہیں۔ ایک قرآن دوسرا سنت، اس لیے منطقی طور پر نظام تعلیم کی اساس بھی انہی کو ہونا چاہیے۔ لیکن مدارس کے نظام تعلیم میں طلبہ کو پہلے دیگر علوم پڑھا کر ان کا ایک مخصوص مزاج اور ذہنی سانچا بنا دیا جاتا ہے اور پھر اس سانچے کی روشنی میں قرآن پڑھایا جاتا ہے۔ قرآن کو اصل معیار اور کسوٹی

بنانے کی بجائے اس کا مطالعہ فقہی مذاہب اور اقوال فقہاء کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر قرآن پر اور کیا ظلم ہوگا۔ حدیث کی صورت حال اس سے بھی افسوس ناک ہے، رفع یدین، فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر جیسے اولیٰ اور خلاف اولیٰ مسائل پر سال کا اکثر حصہ صرف کرنے کے بعد اجتماعی مسائل سے تعلق رکھنے والی احادیث کی تلاوت کے لیے ایسے طالب علم کو تلاش کیا جاتا ہے، جو روزانہ تیس، چالیس صفحات کی برق رفتار تلاوت پر ”قدرت کاملہ“ رکھتا ہو۔ اللہ کے رسولؐ کیا فرماتے ہیں اس سے نہ استاذ کو غرض ہے اور نہ طلبہ کو۔ ہمارے ممدوح حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے اپنے احساس کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

”مروجہ نصاب میں علوم اسلامیہ یعنی قرآن حکیم، حدیث اور اصول فقہ کی تعلیم سے عملی طور پر جو بے اعتنائی روا رکھی ہے وہ باعث ہزار تاسف ہے، اس کو پورا کرنے پر پوری توجہ دی گئی ہے تاکہ ان مضامین سے طلبہ کا سرسری تعارف ہی نہ ہو بلکہ ان کی گہرائیوں تک ان کی رسائی ہو۔ ان علوم میں ان کو مہارت حاصل ہو، تاکہ ہر لحاظ سے تفسیر پذیر حالات میں پوری ذمہ داری کے ساتھ اسلام کے ابدی حقائق کو اس طرح پیش کر سکیں کہ موجودہ ذہن انہیں قبول کرنے بلکہ عملی طور پر انہیں اپنا لینے پر مجبور ہو جائے“ (۱۲)

دینی مدارس میں ایک آدھ کتاب کے استثنائی کے ساتھ حدیث کی تمام کتب دورہ حدیث شریف کے نام سے مخصوص آخری سال پڑھائی جاتی ہیں۔ لیکن پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مجوزہ نصاب میں ابتدائی سالوں سے لے کر آخری سال تک مسلسل حدیث نبویؐ کی تعلیم و تدریس پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے۔ طلبہ کی کردار سازی میں حدیث کی ضرورت و اہمیت اور مقام کی وضاحت کرتے ہوئے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”اخلاقی تربیت کی اہمیت کے پیش نظر تیسرے سال (نوترتیم شدہ نصاب میں دوسرے سال) سے احادیث نبویؐ کی دل پذیر یوں اور درنشانوں سے چشم قلب و خرد روشن کرنے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق سے، ان زرین اصولوں سے بھی روشناس ہوں گے جو اہست نبویؐ کا مقصد اعلیٰ ہیں“ (۱۳)

چنانچہ اربعین نووی دوسرے سال، ریاض الصالحین تیسرے، مشکوٰۃ چوتھے، شرح معانی الاثار چھٹے، موطا امام مالک ساتویں جبکہ صحیحین، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی نویں اور آخری سال کے نصاب میں شامل ہیں۔ اسی طرح اصول حدیث اور تاریخ حدیث پر کئی کتب مختلف سالوں کے نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔

اسی طرح دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے نصابِ تعلیم میں قرآن مجید کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ انیسویں اور تیسویں پارے کا حفظ کرنا نیز تجوید کے ساتھ تلاوت قرآن کی صلاحیت ہر طالب علم کے لیے لازمی ہے۔ اگرچہ تفسیر بیضاوی کے منتخب حصے مختلف سالوں میں داخل نصاب ہیں، تاہم پورے قرآن کا ترجمہ اور معاصر تفاسیر کی روشنی میں فہم قرآن، نصابِ تعلیم کا لازمی حصہ ہے۔ اس کے علاوہ علوم القرآن پر الفوز الکبیری فی اصول التفسیر (از شاہ ولی اللہ)، الاتقان فی علوم القرآن (از علامہ جلال الدین سیوطی) اور تاریخ قرآن پر کتب بھی نصاب کا حصہ ہیں۔ اس مختصر جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرتب کردہ نصاب میں قرآن و سنت کو پوری اہمیت دی ہے۔

تاریخ:

اہل دانش کے نزدیک تاریخ کی مثال جھیل کے صاف اور پاک پانی جیسی ہے جس میں تو میں اپنے ماضی کا عکس دیکھتی ہیں اور پھر مستقبل کی منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ قوموں کا تابناک ماضی ہی ان کو روشن مستقبل کے لیے تگ و تاز پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لیے یہ بات درست ہی معلوم ہوتی ہے کہ ”جس قوم کا کوئی ماضی نہیں اس کا کوئی مستقبل نہیں“ علامہ اقبال کا نوجوانوں سے یہ مطالبہ اسی پس منظر میں تھا:

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبر بھی کیا تو نے

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں

کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاریخ سردارا

اپنے اسلاف کے کارناموں سے بے بہرہ رہ کر کوئی قوم ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں کے لیے تو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم و خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے واقف ہوئے بغیر اسلام کی عملی تعبیر و تشریح کا تصور ہی محال ہے، اور پھر پوری اسلامی تاریخ کو جس طرح روایت اور روایت کے اصول پر پرکھ کر ہر قسم کے خرافات اور قصے کہانیوں سے پاک کر کے خالص، علمی، تحقیقی اور عقلی بنیادوں پر مرتب کیا گیا ہے، تحقیق و تنقید کے اس اسلوب نے اسلامی تاریخ کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے۔ علم اسما، الرجال جیسا فن تو خالصتاً مسلمانوں کی ہی ایجاد ہے تاریخ میں جس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں۔

درس نظامی کے روایتی نصاب میں تاریخ سے جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا گیا ہے محترم پیر

صاحب رحمہ اللہ نے کسی حد تک اس کا ازالہ کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ چنانچہ ان کے رائج نصاب میں تاریخ قرآن، تاریخ حدیث کے علاوہ سال بہ سال پوری اسلامی تاریخ کا مطالعہ شامل ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ادوار کا مفصل مطالعہ نصاب کا اہم حصہ ہے۔ زیر تبصرہ نصاب کی یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے اس کو تمام دفتروں کے نصاب سے انفرادی شان عطا کی ہے۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی کاوشوں کے نتائج و اثرات:

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں جس نصاب تعلیم کا تجربہ کیا گیا وہ بالکل نیا اور انفرادی نوعیت کا تھا۔ پروفیسر حافظ احمد بخش صاحب کا یہ دعویٰ بجا طور پر درست ہے:

”یہ ایک تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ ہی برصغیر پاک و ہند میں وہ پہلا ادارہ ہے جس کے سربراہ نے سب سے پہلے قدیم اور جدید علوم کو یکجا کر کے نصاب کا ایسا حسین گلدستہ قوم کی نذر کیا جس کی مہک پھیلتے پھیلتے آفاق کی وسعتوں میں پہنچ گئی اور نہ صرف پورے پاکستان بلکہ بنگلہ دیش بلکہ یورپ کے مختلف ممالک میں بھی یہ دانش گاہ مختلف واسطوں سے اسلام کا فیضان پہنچا رہی ہے۔“ (۱۳)

لیکن ابتدائی سالوں میں صورت حال قطعاً قابل رشک نہ تھی نئے نصاب کی تنفیذ میں پیر صاحب رحمہ اللہ کو جن مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا اور پھر آپ نے ان مشکلات کا جس خندہ پیشانی، استقامت اور مستقل مزاجی سے سامنا کیا اس کی بعض جھلکیاں ”جمال کرم“ کی پہلی جلد میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ تاہم جوں جوں وقت گزرتا گیا دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کا نظام تعلیم لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتا گیا اور آج تقریباً نصف صدی بعد، جو کسی بھی علمی تحریک کے لیے زیادہ مدت نہیں ہے، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ ایک ایسے علمی اور فکری مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جس کے ذیلی اداروں کی تعداد سو سے زائد ہے جبکہ یورپی ممالک اور دوسرے ملکوں میں دارالعلوم کی ذیلی شاخوں کی حیثیت سے کام کرنے والے ادارے اس کے علاوہ ہیں۔

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سے فارغ التحصیل فضلا کی قومی اور عالمی سطح پر دعوتی خدمات اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ پیر صاحب رحمہ اللہ نے جس شجر سایہ دار کی آبیاری اپنے خون جگر سے کی تھی وہ کاروانِ ندو رکا ہے اور نہ ہی فکری جمود کا شکار ہوا بلکہ ایک ایسی علمی تحریک کا روپ دھار چکا ہے جس کے تجربات سے استفادہ کرنا دینی مدارس کے ارباب دانش کی اہم ضرورت اور حالات کا تقاضا ہے۔ دینی اور عصری تعلیم کے حسین امتزاج پر مشتمل اس نصاب تعلیم ہی کا یہ ثمرہ ہے کہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے فضلا اس وقت، مساجد، مدارس،

افواج پاکستان، سکولز، کالجز، جامعات اور زندگی کے دیگر شعبوں میں اعلیٰ عہدوں پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دارالعلوم کے فضلا کی علمی فکری اور ملی خدمات ایک مستقل مضمون کی متقاضی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

تجاویز و گزارشات :

دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں وقتاً فوقتاً ہونے والی تبدیلیاں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ نصاب کبھی بھی جمود کا شکار نہیں ہوا اور اس کے موسس اعلیٰ نے اپنے علمی ورثا کے لیے عملی مثال قائم کی ہے کہ وہ حالات اور ضرورتوں کے مطابق نصاب میں مناسب تبدیلیوں سے گریز نہ کریں۔ اس پس منظر میں ہم دارالعلوم کی موجودہ نصاب کمیٹی سے چند گزارشات کریں گے۔

۱۔ عباسی دور میں یونانی فلسفہ کے اثرات سے امت کو محفوظ رکھنے کے لیے مسلمان اہل علم اور متکلمین نے شاندار خدمات سرانجام دیں یہاں تک کہ یہ فتنہ فنا ہو گیا۔ آج پھر یونانی فلسفہ کی مانند مغربی فکر و فلسفہ چیلنج بن کر سامنے آیا ہے اس لیے مغربی فکر و فلسفہ کا تفصیلی تعارف اور جائزہ، عصر حاضر کا اہم موضوع بن گیا ہے۔ اس وقت اسلامی فکر کا براہ راست تصادم اور ٹکراؤ بھی مغربی فکر و فلسفہ سے ہے، ہماری رائے یہ ہے کہ معتزلہ، جبریہ، قدریہ اور دیگر کلامی فرقوں اور ان کے ائمہ کو کچھ وقت کے لیے معاف کر دیا جائے اور تقابل ادیان کی طرز پر مغربی فکر و فلسفہ کے تنقیدی جائزے کو شامل نصاب کیا جائے، فرائیڈ ایڈلر، ڈارون، ماتھس، آئن سٹائن، ایبرک فرام، سارتر اور دیگر مغربی علماء کے افکار کا جائزہ لیا جائے کیونکہ انہی اہل علم کے نظریات مغربی تہذیب کے اصل سرچشمے ہیں۔ نوجوان نسل کو مغرب کے فکری اثرات سے بچانے کے لیے اس میدان میں بھی دارالعلوم کے قائدانہ کردار کی ضرورت ہے۔

۲۔ ہمارے ہاں مدارس میں زیادہ زور فقہ اور اصول فقہ کی تدریس پر دیا جاتا ہے اساتذہ کرام اپنی ساری ذہنی صلاحیتیں دیگر فقہی مذاہب پر فقہ حنفی کی فوقیت ثابت کرنے میں صرف کر دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا فقہ شافعی یا کسی دوسری فقہ کے عالمی سطح پر غلبے کا خطرہ ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر دیگر فقہی مذاہب کی پر زور تردید بلکہ مذمت کا کیا فائدہ ہے؟۔ اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر آئمہ اربعہ کے فقہی مذاہب کے تعارفی مطالعہ کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون (فقہ) کا ملکی اور بین الاقوامی قانون کے ساتھ تقابلی مطالعہ وقت کی اہم ضرورت ہے،

تاکہ اسلامی قانون کی آفاقیت اور ابدیت کو مدلل انداز میں پیش کیا جاسکے۔ اس کے بغیر نہ فقہ کی تدریس کا حق ادا ہو سکتا ہے اور نہ جدید فکری چیلنجز کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ اقوام متحدہ (UNO) کے چارٹر ”بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور“ (Universal Declaration of Human Rights) کو جو اس وقت عالمی قانون کا درجہ رکھتا ہے، کے تنقیدی مطالعہ کو نصاب کا حصہ بنایا جائے اور پھر تقابلی مطالعہ کے بعد اسلامی حدود و تعزیرات، عالمی قوانین اور بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے مغرب کے اعتراضات کا علمی اور تحقیقی انداز میں تجزیہ کیا جائے۔

۳۔ عصر حاضر میں ”مطالعہ استشرق“ کو نصاب کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔ مستشرقین (Orientalists) نے قرآن مجید، حدیث نبوی اور سیرت نبوی ﷺ پر براہ راست اعتراضات کے ساتھ اسلام کے خلاف ایک اور محاذ کھول رکھا ہے کہ کسی طرح اسلامی تعلیمات کو غیر عقلی اور غیر فطری ثابت کیا جائے اور یہ باور کروایا جائے کہ اسلامی احکام عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہیں۔ اس وقت یہ محاذ مسلمان اہل علم کی فوری توجہ کا متقاضی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے (م ۱۷۶۳ء) ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں جس طرح مقاصد شریعت کو واضح کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کو انسانی عقل و دانش کا تقاضا قرار دیا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کی زبان اور محاورے میں دین کی تعبیر و تشریح کے اس اسلوب کو جدید علم کلام کی روشنی میں بیان کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اگر شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا کتاب کے منتخب ابواب کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تو انتہائی مناسب ہوگا، تاکہ طلبہ میں اسلامی احکام کے عقلی اور فطری ہونے کو ان کے شعور کا حصہ بنایا جاسکے کیونکہ اسلامی احکام کی یہ تعبیر ہی ان کو عقل پرستوں کے مقابل کھڑا ہونے کا حوصلہ دے سکتی ہے۔

۴۔ اگرچہ دارالعلوم میں زیر تدریس نصاب تعلیم میں فہم قرآن مجید پر خصوصی توجہ دی گئی ہے تاہم اس پہلو پر ابھی مزید سوچ بچار کی ضرورت ہے، بالخصوص قرآن مجید کی آیات احکام خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ اس لیے اگر آیات احکام کو ایک خصوصی پرچے کے طور پر شامل نصاب کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔



حواشی و تعلیقات

- ۱- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۱۸-۱۹۹۸ء) عصر موجود کے عظیم دانشور اور صاحب طرز ادیب ہیں جنہوں نے متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا۔ تفسیر ضیاء القرآن، سنت خیر الانام اور ضیاء النبی پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قابل قدر تصانیف ہیں۔
- ۲- تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو: مولانا، قاضی اطہر مبارک پوری، خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۰ء
- ۳- مناظر احسن گیلانی، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ص: ۱۳۹
- ۴- محمود احمد غازی، ڈاکٹر، مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم، مرتب: ڈاکٹر سید عزیز الرحمن، گوجرانوالہ، الشریعہ اکادمی، ۲۰۰۹ء ص: ۱۹۳
- ۵- تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو: محمد بی بی منصور، برصغیر کے دینی مدارس: نصاب و نظام کا ایک جائزہ، لندن: ورلڈ اسلامک فورم، ۲۰۰۰ء
- ۶- مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم، ص: ۲۱۳
- ۷- حافظ احمد بخش، پروفیسر، جمال کرم، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱/۳۳۲، مجلدات: ۳
- ۸- جمال کرم، ۱/۳۳۲
- ۹- برصغیر کے دینی مدارس میں عربی زبان و ادب کی تدریس میں جو کوتاہی ہوئی ہے اور مسلسل ہو رہی ہے اس کے تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو: محمد بشیر سیالکوٹی، درس نظامی کی اصلاح اور ترقی، اسلام آباد: دارالعلم، ۲۰۱۳ء
- ۱۰- جمال کرم، ۱/۳۳۳
- ۱۱- جمال کرم، ۱/۳۳۳
- ۱۲- جمال کرم، ۱/۳۳۳
- ۱۳- جمال کرم، ۱/۳۳۳
- ۱۴- جمال کرم، ۱/۳۳۸

